سلسلۂ مطبوعات مجلس
۲۳۵

امّتِ اسلامیہ کا مستقبل
خلیجی جنگ کے بعد

چند سبق، جن سے فائدہ اُٹھایا جا سکتا ہے

چند خامیاں جن کا دُور کرنا ضروری ہے

وہ اہم مقالہ جو قاہرہ، مصر میں منعقد ہونے والی اس کانفرنس کے لئے لکھا گیا جو تشئونِ اسلامیہ کی مجلسِ اعلیٰ اور وزارتِ اوقاف حکومتِ مصر نے اپریل ۱۹۹۱ء کی ۲۵، ۲۶، ۲۷ تاریخوں میں بلائی تھی، اور جس میں خلیج کی جنگ اور اُس سے پیدا شدہ حالات و نتائج کا حقیقت پسندانہ اور منصفانہ جائزہ لیا گیا ہے، اور مسلم قیادتوں اور ذمہ داروں کو دیانتدارانہ و جرأتمندانہ مشورہ دیا گیا ہے۔

مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی

مجلس تحقیقات و نشریاتِ اسلام لکھنؤ

طبع اوّل

۱۴۱۱ھ — ۱۹۹۱ء

کتابت ———— ظہیر احمد کاکوروی
طباعت ———— لکھنؤ پبلشنگ ہاؤس (آفسٹ)
صفحات ———— ۲۴
قیمت ———— =/۱۰

باہتمام
محمد غیاث الدین ندوی

طابع وناشر
مجلس تحقیقات ونشریات اسلام پوسٹ بکس ۱۱۹ لکھنؤ
(ندوۃ العلماء)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش نظر رسالہ

مذکورہ بالا موضوع پر "المجلس الأعلی للشئون الاسلامیۃ مصر"
کی دعوت پر قاہرہ میں مسلم علماء، مفکرین، دعوتِ اسلامی کا کام کرنے والوں،
اور مسلم و عرب ممالک کے ذمہ داروں اور نمائندوں کی ایک اہم کانفرنس
۲۵، ۲۶، ۲۷/ اپریل ۱۹۹۱ء کی تاریخوں میں بلائی گئی، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی
صاحب کو اس میں شرکت کی پُر زور دعوت دی گئی تھی، مولانا اپنی صحت کی
کمزوری اور پہلے سے طے شدہ پروگراموں کی وجہ سے تشریف نہیں لے جا سکے،
پھر بھی کچھ وقت نکال کر خلیجی جنگ اور اس دوران عام مسلمانوں کی ذہنی کیفیت
کو سامنے رکھتے ہوئے، کچھ مشوروں پر مشتمل ایک جامع مقالہ کانفرنس کے لئے تیار
کر کے بھیجا، جس میں صورت حال کا حقیقت پسندانہ جائزہ لیا گیا، اور اس کی
واقعاتی و نفسیاتی تحلیل و تجزیہ کیا گیا ہے، اور کتاب و سنّت کی روشنی اور حقائق
و تجربات کی رہنمائی میں کچھ مثبت و تعمیری مشورے دیئے گئے ہیں، جن کے بغیر اس
صورتِ حال کا مقابلہ اور اس کے بار بار پیش آنے کا خطرہ دور نہیں کیا جا سکتا،
امید ہے کہ جس وسیع النظری اور حقیقت پسندی کے ساتھ یہ مقالہ سپرد قلم ہوا ہے،

اسی وسیع النظری اور انصاف پسندی کے ساتھ پڑھا جائے گا، اور اس سے فائدہ اٹھایا جائے گا۔

اس کا ترجمہ مولانا عبدالنور صاحب ندوی استاد دارالعلوم ندوۃ العلماءؒ کے قلم سے ہے، جو ناظرین کے سامنے پیش کیا جارہا ہے۔

سکریٹری مجلس تحقیقات و نشریات اسلام
دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۲۴ر شوال ۱۴۱۱ھ
۱۰ر مئی ۱۹۹۱ء

امتِ اسلامیہ کا مستقبل
خلیجی جنگ کے بعد

چند سبق جن سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے، چند خامیاں جن کا دُور کرنا ضروری ہے

حضرات!

"خلیجی جنگ کے بعد امتِ اسلامیہ کا مستقبل" کے موضوع پر منعقد ہونے والا یہ اجتماع بروقت بھی ہے اور برمحل بھی، بروقت اس لئے کہ یہ بے سبب اور لاحاصل جنگ ابھی ختم ہوئی ہے، اس کے اَسرار کھُل رہے ہیں اور نتائج سامنے آرہے ہیں، نہ تو اس کا کوئی جائز اور معقول سبب تھا، نہ اس کے ممکنہ نتائج و عواقب کو سامنے رکھا گیا تھا، اس کو ایک مجنونانہ جست، حصولِ قیادت و عظمت کا جنون یا جنگی دماغی دورہ (HYSTERIA) ہی قرار دیا جاسکتا ہے، اور شخصی و انفرادی قیادتوں، سطوت و اقتدار کے جذبے بڑھے ہوئے شوق اور نخوت وغرور کے مظاہروں کی تاریخ میں ایسی مثالوں کی کمی نہیں، میں اس طرح کے قائدین کی فہرست پیش کرکے اور ان کے زمان و مکان کی تفصیلات بیان کرکے اس محترم و مؤقّر مجلس پر چھائی ہوئی سنجیدگی اور شائستگی کو نہ مجروح کرنا چاہتا ہوں

اور نہ معزز حاضرین کی کبیدگیٔ خاطر کا سبب بننا چاہتا ہوں، جن میں عالمِ عربی و اسلامی کے قابلِ احترام علماء، اصحابِ فکر و نظر، سیاست و انتظامیہ کے ممتاز ترین افراد شامل ہیں، بڑے افسوس اور معذرت کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ اسلام کی شاندار اور طویل تاریخ بھی اس طرح کے مہم جو افراد سے بلکہ زیادہ صحیح الفاظ میں اس طرح کے سیاسی قمار بازوں سے خالی نہیں رہی' حالانکہ اسلام کے پاکیزہ پیغام، اس کی حکیمانہ تعلیمات اس کے عظیم مقاصد اور بلند معیار کی روشنی میں بجا طور پر یہ توقع کی جا سکتی تھی کہ اسلامی تاریخ اس طرح کی نامناسب مثالوں اور فاسد نمونوں سے خالی ہو' لیکن انسانی فطرت اپنا کام کرتی ہے' وہ ظاہر ہو کر رہتی ہے' خاص طور سے ایسی صورت میں جہاں صحیح طاقتور اور مؤثر تربیت کا فقدان ہو، یا اجتماعی و دینی احتساب کا شعور و احساس نہ ہو' یا "ربُّ العالمین" و "ارحم الراحمین" خالقِ کائنات پر ایمان رکھنے والا قلب و ضمیر موجود نہ ہو اور آخرت کا خوف نہ ہو' جہاں ہر انسان سے اس کے اعمال کا حساب لیا جائے گا خواہ اس کا مرتبہ کتنا ہی بلند کیوں نہ ہو اور اس کا دائرۂ اثر و نفوذ کتنا ہی وسیع کیوں نہ ہو۔

بہر حال اب جنگ کے بادل چھٹ گئے ہیں اور ہیجانی و ہنگامہ خیز مرحلہ ختم ہو چکا ہے، جس میں زیادہ دنوں تک باقی رہنے کی صلاحیت بھی نہیں تھی' نہ دینی اعتبار سے' نہ اصولی حیثیت سے اور نہ عقل اور حقیقت پسندی کی رو سے' اور اب اگرچہ حالات اپنی راہ پر آ گئے ہیں اور حق حقدار کو مل گیا ہے لیکن دعوتِ اسلامی اور تحریک "پیامِ انسانیت" کے ایک کارکن کی حیثیت سے' وہ بھی ہندوستان جیسے حسّاس ملک اور نازک و پیچیدہ حالات میں جہاں اکثر فرقہ وارانہ فسادات ہوتے رہتے ہیں' اور

انسانی جانیں ضائع ہوتی رہتی ہیں، یہ کہتے ہوئے میرا دل رنج وغم سے بھرا ہوا ہے اور کلیجہ پھٹا جا رہا ہے کہ اس جنگ نے اسلام کی شہرت کو سخت نقصان پہنچایا ہے، اسلام ہی سب سے عظیم ونمایاں دین ہے جو انسانیت کے احترام اور جان ومال اور عزت وآبرو کی حفاظت کی دعوت دیتا ہے، ایسے معبود پر ایمان رکھتا ہے، جو "ربُّ العالمین" ہے، اور ایسے نبی کا پیرو اور اُمتی ہے، جو "رحمۃٌ للعالمین" ہیں، ایسے دین کی شہرت وعظمت کو اس جنگ نے اتنا نقصان پہنچایا ہے کہ تاریخ میں ایک مدت سے اس کی مثال نہیں ملتی؛ تاریخ کے ایک طالب علم اور مصنّف کی حیثیت سے اور ہندوستان میں "تحریک پیامِ انسانیت" کے ایک داعی کی حیثیت سے یہ بات میں پورے اعتماد کے ساتھ کہہ رہا ہوں، پیامِ انسانیت کی تحریک کو اللہ کا شکر ہے، ہندوستان میں توقع سے زیادہ کامیابی ملی ہے، وہ غیر مسلم اکثریت کے تعلیم یافتہ اور صاحبِ فکر ودانش رہنماؤں کی تائید اور ان کا اعتراف حاصل کرنے میں کامیاب رہی ہے، اس تحریک کے رہنماؤں نے غیر مسلم دانشوروں اور قائدین کے تعاون کے ساتھ جو اجتماعات منعقد کئے ہیں وہ بہت کامیاب رہے ہیں اور ملک کے مختلف طبقات کے ممتاز ترین لوگ ان میں شریک ہوئے اور متأثر ہوئے ہیں لیکن عراق کے ظالمانہ اقدام نے اس تحریک کی راہ میں مشکلات پیدا کر دیئے، کویت پر عراق کا حملہ قزّاقی کے علاوہ کچھ نہیں تھا، اس میں دینی وحدت واشتراک کا ذرا بھی خیال نہیں رکھا گیا، مال ودولت کے علاوہ بے شمار جانیں ضائع ہوئیں، عزتیں پامال کی گئیں، احسانات کی ناشکری ہوئی اور رذالت وبدکرداری کی آخری حدیں پار کر لی گئیں، جس سے برِّصغیر کے مسلمانوں کے سر شرم سے

جھک گئے، پیشانی عرق آلود ہوگئی اور برادرانِ وطن کو امن و آشتی کی دعوت کے لئے اب زبان کھولنی مشکل ہے' اگر ہمارے غیر مسلم برادرانِ وطن خلیجی جنگ اور کویت جیسے اسلامی اور امن پسند ملک کے ساتھ عراق کے طرزِ عمل کی طرف اشارہ کریں یا مسلمان کُردوں کے ساتھ عراقی حکام کے رویہ کا تذکرہ کریں، جنھوں نے کسی زمانہ میں سلطان صلاح الدین ایوبی جیسے بطلِ جلیل کو پیدا کیا اور وہ کہیں کہ جناب ہمیں احترام انسانیت کی دعوت دینے سے پہلے ذرا اپنے گھر کی، اپنے ہم مذہب لوگوں کی خبر لیں' اور مسلمانوں کی "مثالی قوم" کو دیکھیں۔ تو ہمارے پاس اس کا کوئی جواب نہیں۔

محترم حضرات! جنگ کے بادل اگرچہ چھٹ چکے ہیں! اور یہ منحوس مرحلہ اگرچہ ختم ہو چکا ہے، پھر بھی امتِ اسلامیہ کے حال و مستقبل کی فکر رکھنے والے مصلحین و مفکرین کو یہ جنگ اور اس کے دوران پیش آنے والے واقعات و حالات، چند حقائق کی طرف پوری قوت کے ساتھ متوجہ کر رہے ہیں، جو اس مدت میں واضح ہو کر سامنے آگئے ہیں بلکہ ان احوال و کوائف نے ہر سنجیدہ و باشعور، اس اُمت کی فکر رکھنے والے اور تجربات سے فائدہ اٹھانے والے مسلمان کی انگلی، اس اُمّت میں موجود کمزوریوں اور اس کی صفوں میں موجود شگافوں (GAPS) پر رکھ دی ہے' بلکہ اس جنگ نے اس سے بھی زیادہ خطرناک دُور رس اور اُمّت کے مستقبل پر اثر انداز ہونے والی خامیوں کو آئینہ کر دیا ہے' جو نوجوانوں' صحافت' و دیگر ذرائع ابلاغ، اور بہت سی اسلامی تحریکات کے طرزِ فکر اور ان کے ذہن و شعور میں گھر کر گئی ہیں' ان کا ۔ خاص طور سے اس مؤقر مجلس میں ۔۔

اخلاقی جرأت کے ساتھ جائزہ لینا، قوت و وضاحت کے ساتھ بیان کرنا اور مکمل غیر جانبداری کے ساتھ اپنا اور دینی بھائیوں کا محاسبہ کرنا ضروری ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا	اے ایمان والو! انصاف پر خوب
قَوّٰامِیْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ	قائم رہنے والے اور اللہ کے لئے
لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ	گواہی دینے والے بنے رہو چاہے
اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ	وہ تمہارے یا تمہارے والدین اور
(النساء - ۱۳۵)	عزیزوں کے خلاف ہی ہو۔

لیکن ہم ان غیر خوش کن حقائق اور اُمّتِ اسلامیہ کی (جس میں عرب مسلمان بھی شامل ہیں) موجودہ زندگی میں موجود قابلِ تشویش خلا پر گفتگو سے پہلے اس امر پر قدرے روشنی ڈالنا چاہتے ہیں کہ یہ کانفرنس جس طرح بر وقت ہو رہی ہے اسی طرح صحیح اور مناسب ترین جگہ میں منعقد ہو رہی ہے، اللہ نے مصر کے لئے یہ مقدّر کر دیا ہے اور اس کو یہ شرف بخشا ہے کہ انتہائی نازک اور خطرناک گھڑی میں اور جیسا کہ قرآن میں آیا ہے:۔

اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِیَ ۝ وَقِیْلَ	اور جب جان حلق میں جا لگے
مَنْ سکتہ رَاقٍ ۝	اور جھاڑ پھونک کرنے والوں کی
(القیامۃ - ۲۶ - ۲۷)	تلاش ہونے لگے۔

ایسے وقت میں اسلام کی عزّت و شرف اور مقدّساتِ اسلامیہ کی حفاظت کے لئے فیصلہ کُن اور قائدانہ کردار ادا کرے، کم از کم تاریخ میں دو بار ضرور ایسا

ہوا ہے، جن کی طرف مختصراً اشارہ کرنا ضروری ہے۔

پہلا موقع تو وہ ہے جب کہ یورپ کے صلیبی عیسائی اپنے بادشاہوں، فوجی سرداروں اور پُرجوش اور سرفروش سپاہیوں کے ساتھ اور بے نظیر عزم و ارادہ کے ساتھ عالم اسلام پر ٹوٹ پڑے، اُن کے عزائم یہ تھے کہ جزیرۃ نمائے عرب اور حرمین شریفین پر قبضہ کرلیں، وہاں سے اسلام کے آثار و نشانات مٹا دیں، اور ان مقدسات کی توہین کے مرتکب ہوں جن پر مسلمان اپنی جان، اپنا مال، اپنی عزت اور اپنے خون کا آخری قطرہ تک قربان کرنے پر تیار رہتے ہیں، اس حملہ اور اس کی وجہ سے عالم اسلام کو لاحق خطرات کے سلسلہ میں ہم ایک صاحبِ اختصاص مغربی مصنف اسٹینلے لین پول (STANLEY LANEPOOLE) کی شہادت پیش کرنا کافی سمجھتے ہیں، وہ اپنی مشہور کتاب "صلاح الدین" (SALADIN) میں لکھتا ہے:۔

> "صلیبی سپاہی ملک میں اس طرح گھسے جیسے کوئی پرانی لکڑی میں پچّڑ ٹھونکے تھوڑی دیر کو یہی معلوم ہوتے لگا کہ درختِ اسلام کے تنے کو چیر کر اس کی چھپٹیاں اڑا دیں گے۔"[1]

اس موقع پر علیم و قدیر کارسازِ عالم کا یہ فیصلہ سامنے آیا کہ مسلمانوں کا قبلۂ اول "بیت المقدس" تو ننے ۹ سال صلیبیوں کے قبضہ میں رہنے کے بعد سلطان صلاح الدین ایوبی کے ہاتھوں رجب ۵۸۳ھ (۱۱۸۷ء) میں اسلام اور مسلمانوں کو واپس ملے۔

صلاح الدین، الملک العادل نورالدین زنگی کے سپہ سالار اور ان کی طرف سے

---

[1] سلطان صلاح الدین ص۸۹

مصر کے حاکم تھے، اس طرح اس عظیم کارنامہ اور شاندار فتح کے ساتھ مصر کا نام ہمیشہ کے لئے وابستہ ہوگیا، اور یہ فضیلت صلاح الدین کی صورت میں مصری قیادت کے حصہ میں آئی ظاہر ہے کہ اس نے اللہ کی مدد کے ساتھ مصر کے بہادر مسلمان مجاہدین کے ذریعہ یہ کارنامہ انجام دیا، لین پول لکھتا ہے :۔

"نور الدین سلطانِ شام کے سپہ سالار (صلاح الدین) کا رودِ نیل پر قابض ہوجانا یہ معنی رکھتا تھا کہ یروشلم کی مسیحی سلطنت ایک چری ہوئی لکڑی کے بیچ میں آگئی تھی، وہ دونوں طرف سے دب رہی تھی، اور دونوں طرف جو چیز اسے بھینچ رہی تھی، وہ ایک ہی طاقت کے دو لشکر تھے، دمیاط اور اسکندریہ کی بندرگاہوں پر قابض ہوجانے سے مسلمانوں کا قبضہ ایک بحری بیڑے پر بھی ہوگیا اور انھوں نے مصر کے صلیبیوں کا تعلق یورپ سے منقطع کردیا۔"[1]

سلطان صلاح الدین خود اس کا اعتراف کرتے تھے کہ اس کارنامہ میں مصر کا اہم حصہ ہے، ایک مرتبہ انھوں نے کہا :۔

"جب خدا نے مجھے مصر دیا تو میں سمجھا کہ فلسطین بھی اللہ کو مجھے دینا منظور ہے۔"[2]

دوسرا موقع ساتویں صدی ہجری میں عالمِ اسلام پر تاتاری یورش کا ہے، یہ یورش عالمِ اسلام کے لئے ایک بلائے عظیم تھی جس سے دنیائے اسلام کی چولیں ہل گئیں، مسلمان مبہوت و ششدر رہ گئے، ایک سرے سے دوسرے سرے تک ایک ہراس اور یاس کا عالم طاری تھا، تاتاریوں کو ایک بلائے بے درماں سمجھا جاتا تھا، ان کا مقابلہ

۱؎ سلطان صلاح الدین ص۸۹ ۲؎ ایضاً ص۱۴۶

ناممکن اور ان کی شکست ناقابلِ قیاس سمجھی جاتی تھی یہاں تک کہ ضرب المثل کے طور پر یہ فقرہ مشہور تھا "إذا قيل لك ان التتر انهزموا فلا تصدق" ۔ (اگر تم سے کہا جائے کہ تاتاریوں کو شکست ہوئی ہے تو یقین نہ کرنا ۔)

اس نازک موقع پر جو صلیبی حملوں سے بھی زیادہ خطرناک تھا، مسلمان بادشاہ، حکومتیں اور قیادتیں تاتاریوں کا مقابلہ کرنے کے لئے سامنے نہیں آئیں انھوں نے تاتاری غلبہ واستیلاء کو تقدیر کا فیصلہ اور عذاب الٰہی سمجھ رکھا تھا اس موقع پر ایک بار پھر مصر سامنے آیا اور تاتاریوں کے مقابلہ اور شکست دینے میں سبقت حاصل کی مصر کے حاکم الملک المظفر سیف الدین قطز اور اس کی بہادر مصری مسلمان فوجوں کو یہ شرف حاصل ہوا کہ تاتاریوں کے شکست نہ کھانے کا مقولہ غلط ثابت کردیں، مؤرخین لکھتے ہیں:

"شام کے قبضہ کے بعد تاتاریوں کا رُخ قدرتی طور پر مصر کی طرف تھا، اور وہی تنہا اسلامی ملک تھا جو ان کی غارتگری سے بچا ہوا تھا، سلطان مصر الملک المظفر سیف الدین قطز کو معلوم تھا کہ اب مصر کی باری ہے اور تاتاریوں کی چڑھائی کے بعد ملک کی حفاظت مشکل ہے، اس لئے مناسب سمجھا کہ وہ مصر میں مدافعت کرنے کے بجائے آگے بڑھ کر شام میں تاتاریوں پر خود حملہ کرے چنانچہ ۲۵ رمضان المبارک ۶۵۸ھ کو عین جالوت کے مقام پر تاتاریوں اور مصر کی اسلامی فوج میں مقابلہ ہوا اور سابق تجربوں کے بالکل خلاف تاتاریوں کو شکست فاش ہوئی وہ بُری طرح بھاگے، مصریوں نے ان کا تعاقب کیا اور بڑی تعداد میں گرفتار کیا[1]۔"

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "الکامل"۔ ابن الأثیر ج ۱۲

علامہ سیوطی "تاریخ الخلفاء" میں لکھتے ہیں :۔

"تاتاریوں کو شرمناک ہزیمت ہوئی اور خدا کے فضل و کرم سے مسلمانوں نے ان پر فتح پائی، تاتاریوں کا قتل عام ہوا اور وہ اس طرح سراسیمہ ہو کر بھاگے کہ لوگوں کی ہمتیں بڑھ گئیں، وہ آسانی سے ان کو پکڑ لیتے تھے اور لوٹتے تھے[1]"

عین جالوت کے معرکہ کے بعد سلطان الملک الظاہر بیبرس نے متعدد بار تاتاریوں کو شکست دی اور سارے ملک شام سے ان کو بے دخل کر دیا اور اس طرح وہ کہاوت غلط ثابت ہوئی کہ تاتاریوں کی شکست ممکن نہیں۔

اِن دو غیر معمولی مثالوں کی روشنی میں مصر کو اسلامی تاریخ میں اپنے کارناموں اور خدمات پر فخر کا حق حاصل ہے، اس کو اللہ کی تائید و نصرت اور مقدس و نازک فریضہ کے لئے انتخاب پر بارگاہِ الٰہی میں شکر گذار ہونا چاہئے، اسلام اور مقدساتِ اسلامیہ کے تحفظ میں مصر کی شاندار اور قابلِ فخر تاریخ کا تقاضا ہے کہ اس دور میں بھی اس فریضہ کی ادائیگی کے لئے سامنے آئے، قائدانہ کردار ادا کرے، اور اپنے ترکش کے تیروں۔ مثبت اور تعمیری تیروں۔ کو سامنے لائے مصر کو قدیم زمانہ سے "کنانۃ الاسلام" اسلام کا ترکش کہا گیا ہے، اور اسلام کے ترکش کے تیر نہ کبھی ختم ہوتے ہیں نہ نشانہ خطا کرتے ہیں، آج کے نازک دور میں "کنانۃ الاسلام" سے جو تیر مطلوب ہے اور اس ملک سے جس کردار و عمل کا انتظار ہے، وہ ہے نئے حقائق کا شعور و ادراک اور ان کا اعتراف و اظہار، کویت پر عراق کے ظالمانہ حملہ، صدام حسین کے غیر عاقلانہ اور مغرورانہ طرزِ عمل اور

---

[1] تاریخ الخلفاء ص ۴۲۵

عرب اور دیگر مسلمان اقوام کے ردِّ عمل کے نتیجہ میں بہت سے نئے حقائق سامنے آئے ہیں، اُمّتِ اسلامیہ، اسلامی تنظیموں اور مسلم صحافت کے ذہن اور طرزِ فکر میں بہت سی خامیوں اور دراڑوں سے پردہ ہٹ گیا ہے۔

یہاں میں عام مسلمانوں کے طرزِ فکر، ملک کی صحافت و ذرائعِ ابلاغ یا زیادہ وسیع اور واضح الفاظ میں ان کی زندگی میں موجود خامیوں اور ان کے علاج، اُمّت کی صفوں میں پڑنے والی دراڑ اور ان کے پُر کرنے اور قرآن و حدیث اور تاریخ انسانی کی شہادتوں کی روشنی میں اُمّت کے مستقبل پر مرتّب ہونے والے خراب خطرناک نتائج و عواقب سے محفوظ رکھنے کے اصولوں کی طرف اُمّت کا ذہن بنانے والوں تعلیم و تربیت کے ذمہ داروں صحافیوں، دعوتِ اسلامی اور "صحوۂ اسلامیہ" کی خدمت انجام دینے والوں کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں:

۱۔ عام مسلمانوں، خاص طور سے نوجوانوں کی ایک اہم کمزوری جو اس جنگ کے دوران بہت نمایاں ہو کر سامنے آئی ہے وہ ہے پُر جوش نعروں، بلند بانگ دعووں اور سحر انگیز وعدوں سے فریب کھانے کا مزاج یا مستقل صلاحیت ہے، اس سلسلہ میں عام مسلمان نہ تو نعرہ لگانے والوں کے افکار و عقائد دیکھتے ہیں، نہ ان کے ماضی کا جائزہ لیتے ہیں، نہ ان سیاسی و فکری تحریکات اور ان کے فکر و فلسفہ اور مقاصد و اعمال کو دیکھتے ہیں، جن سے یہ نعرہ لگانے والے پوری طرح مربوط و ہم آہنگ ہوتے ہیں اور خاص طور سے اگر یہ نعرے اور ڈینگیں کسی بڑی طاقت کو چیلنج کرتی ہوں اور ڈینگیں مارنے والے جرأت و حوصلہ مندی کا مظاہرہ کریں تو عام مسلمان اور خاص طور سے نوجوان شدید تأثر، جذباتی اُبال اور ایک طرح کے دماغی دورہ (HYSTERIA) کا شکار ہو جاتے ہیں جس کو کسی طرح قابو میں نہیں لایا جا سکتا ایسی صورت میں نہ دینی احکام و مصالح کا پاس و لحاظ ہوتا ہے، نہ علمی تنقید و تحلیل

اور نہ حالات و حقائق کا دیانتدارانہ اور غیر جانبدارانہ تجزیہ ہی کچھ مفید ثابت ہوتا ہے، بلکہ کھولتی ہوئی ہانڈی کی طرح جذبات میں اُبال آجاتا ہے جو اکثر دین، عقائد اور شعائرِ اسلام سے اعراض بلکہ ان کی اہانت تک پہنچا دیتا ہے، اور دین کے نمائندہ علماء اور اصحابِ اختصاص تو سب سے پہلے زد میں آتے ہیں، اس طرح کے جذبات کی رو میں بے سوچے سمجھے بہہ جانے والوں کی بلیغ ترین صفت سیدنا علی بن ابی طالبؓ نے ایک جملہ میں بیان فرمائی ہے، جن کو اس صورت حال کا بار بار سامنا کرنا پڑا تھا، اور جنھیں دوسرے ائمۂ اسلام کے مقابلہ میں اس طرح کے حالات سے زیادہ سابقہ پڑا تھا، آپ نے اہلِ عراق کے بارہ میں فرمایا تھا "أتباع کلّ ناعقٍ" (ہر زور سے بولنے والے کے پیچھے بھاگنے والے)۔

لہٰذا اُمّت کے مختلف طبقوں میں یہاں تک کہ دیندار اور زیرِ تعلیم یافتہ طبقہ میں بھی ضرورت اس بات کی ہے کہ صحیح دینی، سماجی اور سیاسی شعور پیدا کیا جائے، نیک و بد کو سمجھنے کی صلاحیت کو تقویت پہونچائی جائے، نئے مسائل پر غور کرنے، ان کی گہرائیوں تک اترنے اور ان کے نتائج و عواقب کا صحیح اندازہ لگانے کی قوت میں جلا پیدا کرنے کی کوشش کی جائے، اور ان کو صفائی اور صراحت کے ساتھ بتلایا جائے کہ عقائد و افکار کے اصل اور صحیح ماخذ کون سے ہیں اور قوت و نشاط کے حقیقی سرچشمے کہاں ہیں۔

مسلم عوام کو اس بات کی طرف دعوت دینے کی ضرورت ہے کہ وہ اپنے زمانہ کو سمجھیں، زمانہ کے مشکلات و مسائل اس میں جاری و ساری رُجحانات، تحریکوں، اسلام کے بارہ میں ان کے رویہ، زندگی پر مرتب ہونے والے ان کے اثرات، دین کے مستقبل کے لئے ان سے لاحق خطرات اور نئی مسلم نسل کے ذہن پر پڑنے والے سایوں کو ذہن میں رکھنا سیکھیں، ان قیادتوں کے مطمح نظر اور ان کے اغراض و مقاصد سے ناواقف نہ رہیں جو ملکوں پر

اور سماج پر اپنا تسلط قائم کرنے کے لئے کوشاں ہیں، جو سماج کو اپنے عقائد، اپنے افکار و نظریات اور اپنے آدرشوں کے سانچے میں ڈھالنا چاہتے ہیں، جو زندگی کو نئی راہ اور نیا رخ دینا چاہتے ہیں، ان طاقتوں، رجحانات، افکار اور فلسفوں کو نظرانداز کرنا اور دینی جماعتوں کا اپنے خول میں بند رہنا خود ان تحریکوں کے لئے خطرہ بن سکتا ہے، ان تحریکوں کی دینی دعوت ان کی سرگرمیاں اگر فرائض و واجبات، طہارت و عفت کی زندگی اور نوافل کے اہتمام تک محدود رہیں تو خطرہ اس بات کا ہے کہ کچھ مدت گزرنے کے بعد دین پر عمل اور شرعی احکام کے نفاذ کی آزادی سلب کرلی جائے اور حالات ان کے لئے اس قدر دشوار ہوجائیں جس کی تصویرکشی قرآن نے اپنے بلیغ اور معجزانہ اسلوب میں کی ہے کہ:

ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا	زمین اُن پر، باوجود اپنی فراخی کے
رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ	تنگ ہوگئی، اور وہ خود اپنی جانوں
اَنْفُسُهُمْ (سورۃ التوبہ ۔ ۱۱۸)	سے تنگ آگئے۔

جذباتی نعروں، دعووں، وعدوں، اور کھوکھلی شجاعت کے مظاہروں سے فریب کھانے کے لئے ہر وقت تیار رہنا زبردست خطرہ ہے (خاص طور پر اُس اُمت کے لئے اپنے عقیدہ پر اور اپنے پیغام پر قائم رہنے کے لئے اور نوعِ انسانی کی ہدایت و رہنمائی کا فریضہ کی انجام دہی کے لئے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر آسمانی شریعت اور اس آخری دین پر قائم رہنے کے لئے) اس طرح مسلمانوں کا یہ رویّہ قرنِ اوّل سے لے کر اس وقت تک کے ان کے مصلحین و مجددین، مجاہدین اور دعوتِ اسلامی کی راہ میں اپنی جان قربان کرنے والے شہداء کی تمام کوششوں پر پانی پھیر سکتا ہے، اس سے خطرہ اس بات کا پیدا ہوگیا ہے کہ اس اُمت میں اور قدیم ترین اسلامی ممالک میں بھی مغربی عیسائیوں کا یہ تصوّر کارفرما نظر

آنے لگے کہ: "دین ایک ذاتی معاملہ ہے' جو اللہ اور بندہ کے درمیان محدود ہے' قانون سازی، سیاست اور زندگی کے دوسرے میدانوں میں اس کا عمل دخل نہیں"۔

۲۔ عام مسلمان اور خاص طور سے نوجوان جوان بے حقیقت و پُرجوش نعروں اور کسی بڑی طاقت کو للکارنے کے جھوٹے مظاہرے سے اس حد تک متأثر ہو گئے کہ عقل و ہوش کھو بیٹھے' اس کے کچھ نفسیاتی اسباب بھی ہیں اگرچہ وہ اس کا جواز فراہم نہیں کرتے کہ ہر جوشیلے نعرے لگانے والے کو تقدیس کی حد تک پہنچا دیں پھر بھی انصاف کا تقاضا ہے کہ ان کا احساس کیا جائے اور ان کا سدِّباب کیا جائے۔

اس اُمّت میں عرصہ سے ایسی طاقتور اور جرأتمند قیادت کا فقدان ہے جس کے اندر جہاد کی روح کارفرما ہو' جسے اپنے عقیدہ پر فخر ہو' دنیا کی رہنمائی کے منصب اور اس کی ذمہ داریوں کا شعور ہو اور بڑی حد تک مغربی یا مشرقی بڑی طاقتوں کے سہارے سے بے نیاز ہو، بڑی طاقتیں ہی اسلامی کو ششوں اور وسیع تر حلقہ و اثر رکھنے والی اسلامی تحریکوں کو ناکام بناتے اور اسلامی ممالک کو ایسی عظیم، مؤثر اور قوی شخصیتوں سے' جن پر دینی فکر غالب ہو' جو اپنے ملک میں شریعت اسلامی کا نفاذ چاہتی ہوں، جو اسلام کی عظمت اور مسلمانوں کی قوت و شوکت کے عزائم رکھتی ہوں، محروم کرنے کی ہر طرح کی سازشیں کرتی رہتی ہیں' یہی وجہ ہے کہ پورا عالم اسلام ماضی قریب میں بہترین رہنماؤں سے محروم ہوتا رہا۔

پھر یہ بھی لحاظ رہے کہ قوت و شوکت اور کبھی کبھی خطر پسندی سے متأثر و مرعوب ہونا فطری بات ہے جن صفات سے انسان خود محروم ہوتا ہے' ان سے متأثر ہوتا ہے اور اسلام کی تاریخ شجاعت و شہامت اور بڑے سے بڑے خطرہ کو خاطر میں نہ لانے کے واقعات سے بھری ہوئی ہے' لیکن اس دور کے باضمیر اور غیر تمند مسلمان کمزور حکومتوں اور آرام طلب قیادتوں کو

سے تنگ آ گئے ہیں، یہ بھی حقیقت ہے کہ اکثر مسلمان اور خاص طور سے نوجوان بڑی طاقتوں کی سرگرمیوں اور ان کی سازشوں سے واقف ہیں اور ان سے نفرت کرتے ہیں۔

لہذا ضرورت اس بات کی ہے کہ ایسی قیادت کو سامنے لانے پر توجہ دی جائے جو طاقتور ہو، جرأت مند ہو، صاحبِ ایمان اور ہوش مند ہو، اللہ نے ان کے ملک کو جو طاقت وثروت عطا فرمائی ہے ان پر اعتماد رکھے، ان میں اضافہ کی کوشش کرے، ٹکنالوجی، صنعتوں اور فوجی قوت پر توجہ دے، ممکن حد تک غیروں سے بے نیاز ہو، ایمانی قوت، قوم وملت کے اخلاص اور ایمان وعقیدہ کے دفاع کے لئے قربانی کے جذبہ پر اعتماد کرتے ہوئے اسلامی مصالح اور صحیح مخلص قیادت کے خلاف کسی بھی سازش کے مقابلہ میں یا اسلامی مسائل وممالک میں کسی بھی دخل اندازی کے سامنے جم کر کھڑی ہو جائے۔

۳۔ اسلامی ممالک میں مثبت، فعال ومتحرک اور طاقتور دینی تحریک کے قیام واستحکام پر توجہ دینا بھی ضروری ہے اور اگر کوئی ایسی تحریک موجود ہو تو اس سے خطرہ محسوس کرنے اور اس کو ختم یا کمزور کرنے کی کوشش کے بجائے، اس کی قدر اور ہمت افزائی کرنی چاہیئے، اسلامی معاشرہ کی تشکیل وتکمیل اور اس کے استحکام وبقاء کے لئے ایک ایسی اسلامی دعوتی تحریک بڑی مفید ثابت ہو سکتی ہے جو مردانگی، جرأت وہمت، بلند ہمتی اور پیش بینی کی صفات سے متصف ہو، جو ایسی طاقتوں اور قیادتوں کا مقابلہ کرنے کی طاقت وصلاحیت رکھتی ہو، جنھوں نے بلا کسی استحقاق وجواز کے نوعِ انسانی کی زمام قیادت اپنے ہاتھ میں لے رکھی ہے اور جو اسلامی وغیر اسلامی ممالک واقوام کی قسمتوں کی مالک بن بیٹھی ہیں۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ قوم مسلم ــــ اپنی بیماریوں اور کمزوریوں کے باوجود جن میں بعض کی طرف ابھی اشارہ کیا گیا ــ مشرقی ومغربی تمام اقوام کے مقابلہ میں بعض صفات کے اندر بہت ممتاز ہے۔

؎ اپنی ملت کو قیاس اقوامِ مغرب پر نہ کر　　خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی

یہ صفات ہیں اللہ اور آخرت پر ایمان، زندگی کی بے حقیقتی کا شعور، جہاد فی سبیل اللہ کے لئے زندگی کی لذتوں اور آسائشوں کی قربانی۔ شہادت کا شوق، جنت اور رضائے الٰہی کی امید، اللہ کے وعدہ کئے ہوئے اجر و ثواب کا یقین اور اس کے لئے جان و مال سب کچھ لٹا دینے کی تڑپ، بے مثال صلاحیتوں کی یہ چنگاریاں منتظر ہیں کسی طاقتور مخلص داعی کی، جو ان کے اسلامی جوش کو ابھار دے، شرارۂ ایمان کو شعلۂ جوالہ بنا دے، اور ابھی ماضی قریب تک بعض مخلص اللہ والوں نے یہ کارنامہ کر دکھایا ہے[1]، قرآن کریم نے بھی مسلمانوں کی اس خصوصیت کی طرف اشارہ کیا ہے، جو انھیں دیگر مادی اقوام و ملل کے سورماؤں اور بہادروں سے جن کا رابطہ آسمانی پیغام اور ایمانی سرچشموں سے منقطع ہو گیا ہے، کے مقابلہ میں ممتاز کرتی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَا تَهِنُوا فِي ابْتِغَاءِ الْقَوْمِ ط	اور مخالف قوم کے تعاقب میں ہمت نہ ہارو
إِنْ تَكُونُوا تَأْلَمُونَ فَإِنَّهُمْ	اگر تمھیں (جسمانی) دکھ پہونچتا ہے تو ان کو
يَأْلَمُونَ كَمَا تَأْلَمُونَ وَتَرْجُونَ	بھی دکھ پہونچتا ہے (لیکن) تم اللہ سے
مِنَ اللَّهِ مَا لَا يَرْجُونَ ط (النساء ۱۰۴)	(اجر و ثواب کی) وہ امید یں رکھتے ہو جو وہ نہیں رکھتے

یہ ایسی دولت ہے جس کی کوئی مثال نہیں، ایسی طاقت ہے جس کا کوئی جواب نہیں اور مسلمان ملکوں اور قوموں پر زیادتی ہو گی، بلکہ ان ملکوں اور قوموں میں قائم حکومتوں اور قیادتوں کے حق میں بھی یہ زیادتی ہو گی کہ وہ اس سے گھبرائیں، اور

---

[1] جیسے ہندوستان میں سید احمد شہیدؒ بالاکوٹ (۱۲۴۶ھ) طرابلس میں سید احمد الشریف السنوسی (م ۱۳۵۱ھ) اور امیر عبدالقادر الجزائری (م ۱۳۰۱ھ) وغیرہ۔

اپنی قیادت وحکومت کے لئے ان سے خطرہ محسوس کریں، ان کو اپنا حریف سمجھیں اور بات یہاں تک پہنچ جائے کہ ان کو ختم کرنے اور ان کے اثر ونفوذ سے نجات حاصل کرنے کے لئے ساری طاقتیں اور سارے وسائل۔ جن میں صحافت، دیگر ذرائع ابلاغ اور نظامِ تعلیم وتربیت وغیرہ بھی شامل ہیں، وقف کردی جائیں، یہ ایک بے محل جدّوجہد ہے اور قوم وملک کے ان عزیز ترین فرزندوں کے خلاف جنگ کی ایک شکل ہے، جو نازک گھڑی میں ان کے کام آسکیں۔

ان مسلمان اقوام کا ایک نمایاں اور معروف وصف اللہ اور اللہ کے دین کے ساتھ اخلاص بھی ہے، شرط یہ ہے کہ اس کے اظہار کا صحیح موقعہ ومحل فراہم ہو، کوئی اللہ کے نام پر اور اسلام کے نام پر آواز لگاتا ہے تو مسلمان اس کی طرف ایسے جوش اور جذبہ کے ساتھ لپکتے ہیں جس کی اس زمانہ میں نظیر نہیں ملتی، مسلمان حکومتوں اور قیادتوں کی کمزوری ہے کہ وہ حقائق کو نظر انداز کرتی ہیں، اور اس قیمتی سرمایہ اور زبردست طاقت سے فائدہ اٹھانے کے بجائے اس کو دبانے اور مٹانے کے لئے ساری طاقت، ذہانت اور وسائل صرف کرتی ہیں۔

۴۔ اسلام ہی عرب قومیت کی اساس وبنیاد ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم عالم عربی کی روح ہیں، اس کے قائد اور امام ہیں، اور ایمان کی طاقت ہی عربوں کی اصل طاقت ہے، عربوں نے جب اس طاقت سے فائدہ اٹھایا تو پوری دنیا پر چھا گئے، آج بھی اس کے اندر وہی قوت وصلاحیت موجود ہے اور عرب اقوام آج بھی اس کی مدد سے اپنے دشمنوں کو شکست دے سکتی ہیں اور اپنا تحفظ کرسکتی ہیں، اسلام اور ایمانی قوت کے بغیر عربوں کا نہ کوئی امتیاز ہے، نہ وقار واعتبار، نہ کوئی تشخص اور جیسا کہ علامہ اقبال نے کہا ہے۔

؎ نہیں وجود حدود وثغور سے اس کا محمد عربی سے ہے عالم عربی

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی عربوں کو دنیا کے سامنے ایک حقیقت اور ایک ممتاز و متشخص قوم کی حیثیت سے پیش کیا، یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے اور قومیت اور وطنیت کے مقابلہ میں اس حقیقت کو تسلیم کرنا، اس کو اپنانا اور اس کا پُرجوش داعی بننا چاہیئے، عالمِ عربی کو پورے عالمِ اسلامی سے مربوط کرنے کا یہی سب سے مضبوط و مستحکم ذریعہ ہے اور اسی وجہ سے پوری دنیا کا مسلمان عالمِ عرب سے محبت و ہمدردی رکھتا ہے، اس کی مدافعت اور اس کے لئے قربانیوں کو تقرب الی اللہ کا ذریعہ سمجھتا ہے یہ سب سے بڑی حقیقت ہے جو عالمِ عربی کو مغربی اور غیر اسلامی قوموں کی نظر میں بھی ممتاز مقام عطا کرتی ہے۔

۵۔ یمکن حد تک ناز و نعمت اور عیش و عشرت کی زندگی سے دور رہنا چاہیئے، ترقی و تمدن کے مظاہر میں مبالغہ، بے ضرورت کے اخراجات، لذت و شہوت اور شان و شوکت کے اظہار کے لئے اللہ کی نعمتوں کی ناقدری کوئی پسندیدہ بات نہیں، ایسے اعمال و اخلاق سے پرہیز لازم ہے جو اللہ اور اس کے رسول کو پسند نہ ہوں اور تائید و نصرت الٰہی سے مانع بن سکتے ہوں۔

چھٹی صدی عیسوی کا رومی اور ایرانی تمدن جو زیب و زینت، دولت و ثروت اور پُرتکلف زندگی کی آخری حدوں تک پہنچ رہا تھا اس کے مقابلہ میں قدیم عرب مسلمانوں نے اپنے اسلامی اخلاق، سادگی، فضول خرچی سے اجتناب، محنت و مشقت کی زندگی اور شہسواری کی خصوصیات کو باقی رکھا تھا، آج بھی اس زندگی کو اپنانے کی ضرورت ہے اور اگر تمدن کو اختیار کرنا کسی حد تک ضروری ہو تو اسے ان تعلیمات کے سانچہ میں ڈھال دینا، ان اخلاق و آداب کے رنگ میں رنگ دینا اور ان مقاصد اور نشانوں کے تابع بنا دینا چاہیئے، جن سے اسلام کے ذریعہ اللہ نے اس اُمت کو نوازا ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ جو قوم بھی عیش و عشرت، آسائش حیات کی کثرت، اور

ناز و نعمت میں ڈوب گئی، اس میں جاہلیت کی عادتیں پھیل گئیں اور اخلاقی خرابیاں پیدا ہو گئیں، وہ دوسروں کے ظالمانہ حملوں کا نشانہ بن گئیں :-

سُنَّةَ اللهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا	یہی اللہ کا معمول رہا ہے ان لوگوں کے
مِنْ قَبْلُ ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللهِ	بارہ میں جو پہلے گذر چکے ہیں اور اللہ کا حکم
قَدَرًا مَّقْدُوْرًا ۝ (الاحزاب ۳۸)	خوب تجویز کیا ہوا ہوتا ہے۔

ساتویں صدی ہجری میں اسلامی معاشرہ میں عام طور سے یہی اخلاقی خرابیاں پیدا ہو گئی تھیں، جب تاتاریوں کا سیلاب عالم اسلام پر امنڈ پڑا، جس نے نسلی اور دینی قتل عام کی شکل اختیار کر لی، تاتاری حملہ سے پہلے بغداد کے مسلم معاشرہ کے حالات کا اندازہ لگانے کے لئے ہم یہاں صرف ایک بڑے مؤرخ کی شہادت پر اکتفا کرتے ہیں ، اس زمانہ میں دوسرے مسلم ممالک اور شہروں کے حالات اس سے زیادہ مختلف نہیں تھے، مفتی قطب الدین نہروالی اپنی کتاب "الإعلام بأعلام بيت الله الحرام" میں لکھتے ہیں :-

مرفهون بلين المهاد، ساكنون	عیش و عشرت کے مزے لوٹ رہے تھے، بغداد
على شط بغداد في ظل نخيل	میں (دجلہ کے) ساحل پر آباد تھے، جہاں
وماء معين، وفاكهة وشراب	گھنا سایہ تھا، با فراط میٹھا پانی تھا، میوے
واجتماع احباب واصحاب،	اور مشروبات کی کثرت تھی، دوست احباب
ما كابدوا حربا ولا دافعوا	کی مجلسیں تھیں، جنگ کی مصیبتوں سے
طعنا ولا ضربا۔ (الإعلام ص۱۸۰)	سابقہ نہیں تھا، نہ نیزے اور تلواریں
	اٹھانے کی نوبت آتی تھی۔

مسلمانوں کی طویل تاریخ کے اندر بہت سے مسلم معاشروں، مسلمان قوموں اور وسیع

اور ترقی یافتہ حکومتوں میں خوش عیشی اور فارغ البالی کی یہی کہانی دُہرائی گئی، اور اس کا نتیجہ وہی نکلا ہے جو بغداد میں ظاہر ہوا، شدت و وُسعت میں اگر کچھ فرق رہا ہو تو ان معاشروں کے قد و قامت یا ان حکومتوں کی قوت و حیثیت اس کا سبب بنی ہے۔[1]

۶۔ اس مرحلہ پر اس امر کی بھی ضرورت واضح ہو کر سامنے آگئی ہے کہ عرب اور اسلامی حکومتوں اور قوموں کی اپنی ایک مؤثر اور فعّال تنظیم ہونی چاہیئے جو اسلامی ممالک ـــ اور ان میں عرب ممالک سر فہرست ہیں ـــ کی بین الاقوامی سیاسی اور دفاعی ضرورتوں کی دیکھ ریکھ میں اقوام متحدہ (UNITED NATIONS) کی جگہ لے سکے، آزادی اور عزت و وقار کے تحفظ میں ان کی ہمت افزائی کرے، اگر کوئی بڑا ملک کسی چھوٹے ملک پر حملہ آور ہو تو اس کی مدافعت کا فریضہ انجام دے، اس طرح کے معاملات میں اقوام متحدہ یا کسی بڑی طاقت کی جگہ اس کی طرف رجوع کیا جا سکے، اور اس سے مدد لی جا سکے، ایسی کسی تنظیم کو اتنا احترام و وقار اور اتنی طاقت حاصل ہونی چاہیئے کہ وہ کسی بھی اسلامی ملک پر جارحیت کا مناسب جواب دے سکے، اور انانیت پسند استبدادی قیادتیں اور دنیا کی بڑی طاقتیں اسے نظر انداز نہ کر سکیں

اس طرح کی کسی تنظیم کی سب سے پہلی ذمہ داری یہ ہونی چاہیئے کہ وہ حجاز مقدس اور حرمین شریفین کی خاص طور پر اور پورے جزیرۃ العرب کے تحفظ و دفاع کی عام طور پر ذمہ داری سنبھالے کیونکہ یہی اسلام کا اصل مرکز اور دعوتِ اسلامی کا اصل سرمایہ ہے مسلمان کسی زمانہ میں بھی ہوں اور کسی جگہ بھی ہوں، ان کا عزّ و شرف حجازِ مقدّس کی عزت و عظمت کے ساتھ وابستہ ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ ۔ (المائدہ ـ ۹۷)	اللہ نے کعبہ کے مقدس گھر کو انسانوں کے باقی رہنے کا مدار ٹھہرایا ہے نیز حرمت والے مہینہ کو۔

[1] تفصیل کے لئے ہندوستان میں مغلوں کے عروج و زوال اور ایران و ترکستان میں خوارزم شاہی سلطنت کی تاریخ کا مطالعہ مفید ہوگا۔

یہ آیت اس حقیقت کی طرف اشارہ کررہی ہے کہ نظامِ عالم درحقیقت بیت اللہ الحرام کے ساتھ وابستہ ہے بالکل اسی طرح جیسے کہ عقائد اور اعمال و اخلاق کا نظام اس دعوت سے وابستہ ہے جس کے لئے اس گھر کی تعمیر ہوئی ہے، مسلمان دنیا کے کسی بھی حصہ میں ہوں ان کے لئے مرکزِ اسلام - جہاں اللہ کی آخری وحی نازل ہوئی اور جہاں نوعِ انسانی کے لئے نئی صبح صادق طلوع ہوئی ــــ کے بارہ میں انتہائی حسّاس اور غیر تمند ہونا اسلامی فریضہ ہے اور جیسا کہ علاّمہ اقبال نے کہا ہے ؎

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاکِ کاشغر

اخیر میں اسلامی ممالک کے ذمہ داروں اور سربراہوں کی خدمت میں بھی ایک بات عرض کرنا چاہتا ہوں :-

محترم حضرات! قرآن، سنّت، دعوتوں اور دنیا کی تبدیلیوں اور انقلابات کی تاریخ کی روشنی میں سب سے بہتر اور مفید چیز ہے اللہ کے ساتھ صدق و اخلاص، اس کی طرف رجوع و انابت، ساتھ ہی فرد اور سماج کی زندگی میں ہر ممکن اصلاح، سماج سے منکرات، اللہ کی تائید و نصرت سے محروم کرنے والے اخلاق و اعمال کا ازالہ اور سماجی، سیاسی، انتظامی اور انفرادی زندگی سے سستی و کاہلی اور تضادات سے اجتناب، قرآن و حدیث اس پر شاہد ہیں، سیرت مبارکہ خلفائے راشدین اور صالح بادشاہوں کی زندگی میں اس کے بیشمار نمونے موجود ہیں، ان کی تفصیل اور واقعات و اسماء کے تذکرہ و تعیین کی یہاں ضرورت نہیں خلاصہ یہ کہ انابت الی اللہ اور اصلاحِ اُمّت و ازالۂ منکرات کی جدّوجہد میں اللہ کی رحمت کو متوجہ کرنے مصیبتوں اور دشواریوں کے وقت قوموں اور معاشروں کو بُرے نتائج سے محفوظ رکھنے کی مؤثر ترین قوت ہے، اور عام ذرائع و اسباب، فوجی طاقت یا بڑی طاقتوں کی تائید و حمایت یہ ساری چیزیں اس کا مقابلہ نہیں کرسکتیں